Article

The Study of the central character Alia of Novel Angan (In the perspective of Jhon Locke Theory of "Tabula Rasa")

ناول آنگن کے مرکزی کردار عالیہ کا خصوصی مطالعہ (جان لاک کی بلینک سلیٹ تھیوری کے تناظر میں)

Khizra*[1]
M.Phil Scholar ,Department of Urdu, Shaheed Bainazir Bhuttu Women University ,Peshawar
Mansoor Khan*[2]
Lecturer, Department of Urdu, Government Postgraduate College Charsada

1.خضرہ

ایم فل اردو سکالر، شعبہ اردو، شہید بے نظیر بھٹو ویمن یونیورسٹی پشاور

1-منصور خان

لیکچرار، شعبہ اردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج، چارسدہ

Correspondanance: mansoorsahil.urdu@gmail.com

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 15-04-2024
Accepted:24-06-2024
Online:28-06-2024

CC BY

Abstract: Urdu literature was influenced by western thoughts like other literatures. The character of Alia in Khadija Mastor's novel Angan highlights this notion. To craft the character of Alia, the author imitates the John Lock Theory of Blank State, he states that humans are free from innate ability. They learn things through their experiences. Similarly, the same thing is reflected in the character of Alia in the novel. She was thinking of her past life that how she was happy, prior to her father's transfer. It was her first stage of conscience development. Likewise, she was learnt that men are not trustworthy in the case of her parents' regular

fights, her sister's suicide, Chime constant struggle in love and the case of her neighbor's Kasam Didee. Through these major episodes, Alia developed her conscience and remained unmarried throughout her life..

Copyright:© 2023 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

KEYWORDS: : Khadija Mastoor, Angen, Jhon Locke, Tabula Rasa, Novel , Literature, Theory, Philosophy, Human Mind,

جان لاک(John Locke's)ایک انگریز فلسفی اور ماہر طب تھے آپ کی پیدائش 9اگست 1632 کو برطانیہ میں ہوئی ۔ جان لاک کا خاندان برطانیہ کے اعلیٰ خاندانوں میں سے تھا۔ جان لاک نظریہ علمیات (epistemology)اور سائنسی فلسفہ کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور رہے ۔ جان لاک نے سترھویں صدی میں an essay concerning human understanding میں اپنا نظریہ The blank slate theory کے عنوان سے پیش کیا۔ جس میں اس نے پہلے کے نظریات کو ترک کر کے پورے مدلل انداز سے اس سوال کی وضاحت کی۔۔۔ کہ انسان کہ پاس جو علم ہے۔ کیا وہ اسے موروثی طور پر وراثت میں ملتا ہے۔(دیگر مخلوقات کی طرح)یا پھر انسان اپنے خواس خمسہ کا استعمال کر کے تجربات سے سیکھتا ہے؟

یہ وہ بنیادی سوال تھا جس کے جواب میں 1689 جان لاک نے اپنی کتاب میں بلینک سلیٹ تھیوری کے عنوان سے ایک مضمون پیش کیا جس میں ذیل الفاظ میں بتایا کہ:ترجمہ

"ایک انسان خالی ذہنیت وکشادہ میدان کی طرح پیدا ہوتا ہے اور اس کے
بعد اس کی ذہنی ووجودی تشکیل اس کے تجربے کی بدولت ہوتا ہے۔"(1)

اس نظریے کے مطابق انسانی دماغ کورے کاغذ کی مانند ہوتا ہے لہذا وہ نئے خیالات کو جنم نہیں دیتا بلکہ خیالات کو جمع کرتا رہتا ہے۔ اور پھر انہیں خیالات سے اثر لے کر زندگی میں آگے بڑھتا ہے۔

"آنگن"، خدیجہ مستور کا ناول ہے۔ جو 1962 میں منظر عام پر آیا، جس میں آزادیِ ہند کی روداد کے ساتھ ساتھ، جنگ عظیم دوم اور تقسیم ہند کے بعد کا عرصہ موضوع بحث لایا گیا ہیں۔ یہ ناول دو تشکیلات پر مشتمل ہے۔ ایک "ماضی" کے عنوان سے ہے جب کہ دوسرا "حال" کے عنوان سے ہے۔ اس ناول میں تقسیم ہند کے واقعات کو ایک آنگن کے ساتھ جوڑ کر خدیجہ مستور نے ایک اجتماعی رنگ دیا ہے۔ جس کو ہم ہندوستان کی کہانی کہہ سکتے ہیں۔ کیوں کہ اس وقت ہر دوسرے گھر میں کانگریسی حمایتی (بڑے چچا)اور مسلم لیگی حمایتی (جمیل اور چھمی جیسے کردار)موجود تھے۔ جو ملک کی بقاء

کے لئے کچھ کر گزرنے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ آنگن ایک سیاسی و معاشرتی ناول ہونے کے ساتھ ساتھ نفسیاتی ورومانوی انداز فکر بھی رکھتا ہے۔ جس کا ہر کردار ایک الگ سوچ اور الگ نفسیات لے کر ناول کے قصے میں نمودار ہو کر اپنا کردار بخوبی انجام دیا ہے۔عالیہ کا کردار بھی اس ناول ایک جاندار کردار ہے، جسے اس ناول میں بطور راوی اور مرکزی حثیت سے پیش کیا گیا ہے۔مصنفہ نے پورا ناول واحد متکلم میں عالیہ ہی کی زبانی بیان کیا ہے۔

ناول کی ابتدا میں ایک کم سن بچی کا کردار ہے جو والد کے تبادلہ کے بعد ایک نئے علاقے، نئے گھر میں منتقل ہو جاتی ہے۔ جہاں وہ خود کو تن تنہا پا کر اپنے ماضی کے بارے میں سوچنے لگتی ہے وہ سوچنے لگتی ہے اپنے اس پرانے گھر اور دوستوں کے بارے میں جہاں وہ ان کے ساتھ سارا سارا دن کھیلتی کودتی رہتی، اور اپنے گھر کے حالات سے بے خبر رہتی عالیہ کا کردار ارتقائی کردار ہے جو شعوری طور پر کہیں کہیں جان لاک کے نظریہ "بلینک سلیٹ تھیوری" سے مطابقت رکھتا ہے۔ اردو ادب کا ذخیرہ اکثر دوسرے ادبوں کے زیر اثر رہا ہے۔خواہ وہ جرمن ادب ہو، انگریزی ادب ہو، فرانسیسی ادب ہو، روسی ادب ہو یا ترکی ادب ہو، اسی لئے اردو ادب پر مغربی یا یورپی اثرات شعوری / لاشعوری طور پر نظر آتے ہیں ۔اور ایک ادب پر دوسرے ادب کا اثر انداز ہونا کسی اچھنبے کی بات نہیں ہیں۔لہذا خدیجہ مستور کے ہاں بھی جان لاک کا اثر غیر فطری نہیں ہے۔

ناول آنگن میں عالیہ کے نفسیات میں وقت کے ساتھ ساتھ رونما ہونے والی تبدیلیاں فطری تبدیلیاں ہیں۔ انسان کا ظہور خالی ذہنیت کے ساتھ ہوتا اور وہ ارد گرد نظر دوڑا کر ماحول سے متاثر ہو کر سیکھتا ہے. یعنی اس کے ارد گرد حالات ہی طے کرتے ہیں ان کی نفسیات اور ان کی شخصیت، کہ وہ کس طرز کی نفسیات اور شخصیت کا انسان ہو گا۔ناول کے بالکل آغاز میں مصنفہ نے عالیہ کا کردار ایک ایسی بچی کے طور پیش کیا ہے، جو ایک نئے گھر میں آ کر اپنے دوستوں سے جدا ہو کر اپنے ماں باپ کا وہ عکس دیکھ لیتی ہے جس سے کبھی پہلے اس کا سامنا نہیں ہوا ہوتا۔ اور نتیجہ میں وہ ان حالات سے تنگ آ کر فرار کے بارے میں سوچنے لگتی ہے۔

> " اگر میرا دماغ بڑے بھائی جیسا ہوتا تو پھر دیکھتا مگر میں تو بندھا ہوا ہوں، نوکری کرنے پر مجبور ہوں۔"۔۔۔ہوں! وہ تو میں جانتی ہوں کہ تم ہر وقت سب کو بھوکا مارنے پر تلے ہوئے ہو" یہی تو وجہ ہے کہ نوکری کر رہا ہوں ورنہ میں تو بڑے بھائی کی طرح دکان کر کے بیٹھ جاتا مگر تم تو سب کچھ اپنے بھائی کے پاس رکھ آئیں، وہ بڑا دیانت دار آدمی ہے اس کی بیوی انگریز ہے۔" میں نے دس دفعہ کہا کہ میرے بھائی بھاوج کا نام مت لیا کرو۔" اماں ایک دم سسکیاں بھر بھر کر رونے لگیں۔ آپا بڑی خاموشی سے پلنگ پر پاؤں لٹکائے بیٹھی تھیں، ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ میلی ملگجی چاندنی میں ان

کے آنسو کتنے دردناک معلوم ہو رہے تھے۔ سب روؤ سب لڑو' وہ گھر سے
بھاگ جائے گی "اس نے بڑے بوڑھوں کی طرح سوچا تھا۔(2)

عالیہ کا گھر سے فرار کے بارے میں سوچنا دراصل وہ ذہنی کیفیت ہے جو اس نے اپنے ماحول سے اخذ کی۔ اپنے ماں باپ کو ہر وقت چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایک دوسرے کے ساتھ لڑتے جھگڑتے دیکھ کر، اس کی ماں کا اس پر بے جا روک ٹوک، اس کے ماں باپ کا اس کو وقت نہ دے کر نظر انداز کرنا ہی وہ کیفیات تھیں جس نے عالیہ کو گھر سے فرار کے بارے میں سوچنے پر مجبور کیا۔

جان لاک کے مطابق انسان بالکل کج فہم دنیا میں آتا ہے۔ اپنے گھر اور ارد گرد حالات کو دیکھ کر ہی اس کی ذہنی کیفیت پروان چڑھتی ہے۔ عالیہ کا کردار بھی ایک ایسا ہی کردار ہے جو ناول کے شروعات میں بالکل ایک کج فہم ہوتا ہے۔ پریوں اور شہزادیوں کی کہانیوں میں سانس لینے والا، دنیا کی ریت رواج سے بالکل ناواقف ہوتا ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ وہ جب اپنے ارد گرد ماحول کو دیکھ کر اپنے خواس کا استعمال کر کے سوچنا شروع کر دیتی ہے تو اس کا ذہن ایک عجیب کیفیت کا شکار ہو کر اپنی ارتقائی منزلیں سر کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اور وہ سمجھ جاتی ہے ماں باپ کی بے اعتنائی، ان کی دوری جس کے بارے میں مصنفہ ناول میں یوں لکھتی ہے:

"اماں سے تو اس کا صرف اتنا ہی تعلق تھا کہ جب وہ کھیلتے کھیلتے باہر سے آتی
تو ان سے لپٹ جاتی۔ وہ اسے پیار کر کے پھر سے کھیلنے کی ہدایت کرتیں۔ ابا
تو اسے صرف دور ہی دور سے نظر آتے۔ صبح دفتر چلے جاتے اور شام کو
بیٹھک دوستوں سے بھر جاتی۔"(3)

عالیہ کے ماں باپ کا رویہ ہمارے معاشرے کا ایک ایسا المیہ بن چکا ہے۔ جو بچوں کو مختلف نفسیاتی بیماریوں کا شکار کر رہی ہے اور بچے مجبوراً گھر سے فرار حاصل کر کے باہر سہارے ڈھونڈنے شروع کر دیتے ہیں۔ ماں باپ کی اس بے اعتنائی اور کم توجہی کا شکار عالیہ کے علاوہ ایک اور مثال اس ناول میں "شکیل" کا کردار بھی رہا ہے۔ جو ماں باپ کی ہر وقت ڈانٹ ڈپٹ سن کر، ان کی بے اعتنائی اور کم توجہی دیکھ کر گھر سے بھاگ کر چور وڈا کو بن جاتا ہے۔

دیکھا جائے تو بچوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ انہیں چاہے جس بھی جانب ہانکوں یہ نکل جاتے ہیں۔ یہ کیفیت ناول میں عالیہ کے کردار میں مصنفہ نے پیش کی ہے اور واضح کیا ہے کہ بچہ اپنے ارد گرد ماحول ہی سے سیکھتا ہے۔ نہ کہ وہ سیکھا سکھایا دنیا میں آتا ہے۔ یہ عنصر مصنفہ نے ناول میں عالیہ کے کردار میں مشن ہائی سکول میں داخلہ لینے کے بعد ہی واضح طور پر پیش کیا ہے۔ جب وہ مس مرسی سے متاثر ہو کر ان ہی کے الفاظ میں آسمانی باپ کو مخاطب کر کے دعا مانگنا شروع کر دیتی ہے اقتباس ملاحظہ ہے:

"اے ہمارے آسمانی باپ تو ہمارے گھر سے لڑائیاں ختم کرا دے! صفدر
بھائی کے کمرے میں جاتے ہوئے وہ چپکے چپکے دعا کر رہی تھیں۔ مس مرسی

کی یاد سے کرائی ہوئی یہ دعا اسے بہت سے دکھوں سے نجات دلا دیتی
تھی۔ کمرے میں جا کر دیکھا کہ وہاں تو صفدر بھائی بھی رو رہے تھے۔ کچھ
نہیں کرتا یہ آسمانی باپ بھی وہ آسمانی باپ سے بھی روٹھ گئی تھی اور روتے
روتے صفدر بھائی سے لپٹ گئی۔"(4)

محبت جس کے بغیر کسی رشتے، کسی تعلق کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ جس کی بدولت ہر تعلق پھلتا پھولتا آگے بڑھتا ہے۔ دیکھا جائے تو عالیہ کے ذہنی ارتقائی مراحل میں ایک مرحلہ محبت کے مفہوم کو سمجھنے کا ہے۔ جو اس کے کردار میں اس کی بہن تہمینہ اور صفدر کا ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو کر نظر آتا ہے۔ وہ سوچنے لگتی ہے محبت کا مفہوم کہ آخر کیا ہے محبت؟ کیوں کرتے ہے لوگ محبت؟، کیوں آخر آپا اتنا کم بولتی ہے؟ اس کیا... کیوں.... کے جواب کی تلاش میں بالآخر وہ اس نتیجہ پر پہنچ جاتی ہے کہ محبت ایک رشتے کے لیے غذا کی مانند نہیں ہوتی بلکہ یہ تو انسان سے اس کی قوت گویائی تک چھین لیتی ہے۔ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

خدا جانے آپا اتنا کم کیوں بولتی ہے۔ کیا محبت لوگوں کو گونگا بنا دیتی ہے؟ کیا
محبت کا نام الفاظ کی موت ہوتا ہے؟ پھر لوگ اتنی گھٹیا چیز کے پیچھے کیوں
بھاگتے ہیں؟ آپا تم کتنی معصوم ہو۔"(5)

جان لاک کے مطابق انسان کی سمجھ بوجھ میں اس کے اردگرد کا بہت عمل دخل ہوتا ہے۔ وہ اپنے اردگرد ہی سے مطالب اخذ کر کے سیکھتا ہے۔ مذکورہ بحث ناول میں عالیہ کے کردار میں محبت کے بارے میں کج فہمی اس کا اپنی بہن کو دیکھ کر حرکت پذیر ہوئی تھی۔ یہ حرکت پذیری تو اس وقت طوفان کی شکل اختیار کر جاتی ہے جب کسم دیدی جو اس کے پڑوس میں رہتی ہے وہ اپنے شوہر کی وفات کے بعد کسی کے ساتھ بھاگ جاتی ہے اور وہ پھر اس کو بے یار و مددگار چھوڑ کر واپس لوٹ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی اپنی بہن تہمینہ بھی صفدر کی بے وفائی برداشت نہ کر کے خودکشی کر دیتی ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی ذہن پر مردوں کا ایک بہت منفی نقش منقش ہو جاتا ہے۔

عورتیں محبت میں خودکشی کر کے مثالی وفا پیش کر جاتیں اور مرد کسی تاریک
رات میں قبر پر شمع روشن کر کے چلے جاتے اور بس"(6)

ایک اور جگہ خدیجہ مستور لکھتی ہیں:

"مرد کی فطرت تو پارے کی طرح ہے ذرا سی گرمی ملی اور چڑھ گیا۔"(7)

آنگن میں عالیہ کی ذہن پر مردوں کے بارے میں بے وفائی کا نقش اتنی پختگی سے منقش ہوا ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ہر اٹھتی ہوئی نگاہ جس میں اس کے لیے محبت کا پیغام ہو، برا سمجھنے لگتی ہے۔ جس کی واضح مثال جمیل کی محبت ہے۔ جس سے یہ اندر ہی اندر محبت تو کرتی ہے۔ لیکن چھمی کا قصور وار مان کر یہ کبھی اس کی محبت کو اہمیت نہیں دیتی۔ اور تقسیم کے بعد یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہ جگہ، وہ گھر چھوڑ کر جمیل کی زندگی سے نکل آتی ہے۔

پاکستان آکر عالیہ جو دل ہی دل میں جمیل بھیا سے محبت تو کرتی ہے لیکن اس کی محبت کو یہ سوچ کر ٹھکراتی رہتی ہے کہ اس نے چھمی سے بے وفائی کی ہے جب چھمی کا خط پڑھ کے جمیل اور اس کی شادی کی خبر پڑھ لیتی ہے تو ایک دم سکتے میں آجاتی ہے۔اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"خط ختم کر کے وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی ۔ وہ اس وقت کتنی خالی اور
ویران.......۔۔۔۔۔۔ہو رہی تھی "بڑا اچھا ہوا چھمی کی زندگی بن گئی۔ "اس
نے ایسی آواز میں کہا جو اس کی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اپنی نہیں تھی۔"8

والٹن کیمپ میں بچوں کو پڑھانے کے دوران اس کی ملاقات ایک ڈاکٹر سے ہو جاتی ہے جو بعد میں اس کو شادی ی پیشکش تو کرلیتا ہے جس کو عالیہ ہاں کہتے کہتے انکار کر دیتی اس خیال میں کہ وہ مہاجر کیمپ میں لٹے ہوئے مسافروں سے پیسے کماتا ہے۔

آخر میں اس کی زندگی میں اس کی بہن تہمینہ کی محبت یعنی صفدر بھی اس کو شادی کی پیش کش کر لیتا جسے یہ ایک لمحے کے لیے قبول بھی کر لیتی ہے۔ اور اپنی ماں کے سامنے اس کے لیے کھڑی بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن ان کے جذبات تو اس وقت سرد پڑ جاتے ہیں جب وہ صفدر کا ایک نیا رخ دیکھ لیتی ہے۔ اور پھر وہ اسی لمحے شادی سے انکار کر لیتی ہے۔

جان لاک کے مطابق انسانی علم تجربہ سے حاصل ہوتا ہے۔ کسی شے کی حقیقت کو ہم انسانی تجربے کے زریعے ہی پرکھ سکتے ہیں اس سے نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں۔ بغیر انسانی تجربے کے کسی چیز کی پرکھ کی کوئی حقیقت نہیں۔

مجموعی طور پر عالیہ کے کردار کو اگر "بلینک سلیٹ تھیوری" کے تناظر میں دیکھے تو اس کے کردار کا ہر پہلو اس تھیوری کے عین مطابق ہے۔ عالیہ چوں کہ ناول کے ابتداء میں ایک بچی کا کردار ہے وہ ارد گرد اپنے گھر کو بھی دیکھتی ہے اور باہر سماج کو بھی، جس سے متاثر ہو کر اس کی سوچ کی منزلیں حرکت پذیر ہونے لگتی ہیں۔ اور اپنے حواس کے ذریعہ نگاہ دوڑائے زندگی کے تجربات سے نتائج اخذ کر کے ایسی ایسی منزلیں سر کر لیتی ہے۔ جس کے متعلق اس کے دل میں عجیب کیفیات ہوتی ہیں۔ وہ ہاں کہتے کہتے رک جاتی ہے کیوں کہ اس پہ وہ کیفیات طاری ہو جاتی ہیں جس کا وہ ماضی میں بہت برا انجام دیکھ چکی ہوتی ہے۔ مذکورہ بحث ناول میں عالیہ کی کردار میں یہ دوری یہ فرار یہ محبت سے باغیانہ پن دراصل عالیہ کے کردار میں وہ خوف وہ ڈر ہے جو وہ نہیں چاہتی کہ وہ تہمینہ آپا کی طرح یا کسم دیدی کی طرح یا پھر اس کی ماں کی طرح اس کے ساتھ بھی ہو، اور وہ پل پل محبت کی ایک نگاہ کے لیے ترستی رہیں۔

حوالہ جات

1. https://kpu.pressbooks.pub/evpsych/chapter/human-cognition-are-we-really-blank-slates/
2. خدیجہ مستور، آنگن،لاہور:سنگ میل پبلیکیشنز،،2012،ص:35
3. خدیجہ مستور، آنگن، ص:9
4. ایضاً،ص:38
5. ایضاً،ص:36
6. ایضاً،ص:67
7. ایضاً،ص:123
8. ایضاً،ص:311